منؔیر نیازی بطور غزل گو شاعر

سید فضل حسین فرتاش*

ڈاکٹر عقیلہ بشیر**

Abstract:

Munir Niazi is ranked among the best renowned poets after the separation of sub-continent, owing to his unique writing style, brevity and fascination. He seems to depict the trends, inclinations and ideas of his age instead of describing them in words. Social senselessness, disbelief and individual seclusion are captured in his writing in such a wonderful way that the readers struggle to knowing themselves in those moving imageries of his poetry. That is why, he looks prominent among the big crowd of the poets.

منؔیر نیازی کا شمار، اپنے منفرد اسلوبِ بیان، اختصار پسندی اور سحر کاری کی وجہ سے، بیسویں صدی کے نصف آخر کے اہم ترین شعراؑ میں ہوتا ہے۔ وہ اپنے عہد کے رجحانات، میلانات اور نظریات کی منظوم تشریحات کرنے کے بجائے اُن کی تصویر کشی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُن کے یہاں معاشرتی بے حسّی و بے یقینی اور شخصی تنہائی اِس انداز میں مصور ہوتی ہے کہ قاری اُن متحرک محاکات میں اپنے آپ کو شناخت کرنے کی تگ و دو میں لگ جاتا ہے۔ وہ اِس لیے کہ ''اُن کا ایک ایک شعر، ایک ایک مصرع اور ایک ایک لفظ آہستہ آہستہ ذہن کے پردے سے ٹکراتا ہے اور اس کی لہروں کی گونج سے قوتِ سامعہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔''(۱)

منؔیر نیازی کے یہاں طرزِ بیان کو موضوعات پر تفوق حاصل ہے۔ اُن کا استعاراتی نظام، تمثیلی انداز، وجدانی اسلوب اور داستانوی فضا، احساسات کی تجسیم کاری میں فعال کردار ادا کرتے ہیں۔ چوں کہ اُن کی شاعری میں استعارہ سازی کا رجحان بہت نمایاں ہے اِس لیے اُنھوں نے اپنی شاعری میں انسانی کیفیات و

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

** صدر شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

احساسات کو پیش کرنے کے لیے استعارہ اور تمثیل کا انداز اپنایا ہے۔(۲) اُن کی شاعری کے عناصرِ ترکیبی میں طلسمی فضا، مافوق الفطرت عناصر، محیرالعقول واقعات اور پُر اسرار تخیلاتی ماحول نہ صرف اُن کی ذات کو اپنے سحر میں مقید رکھتا ہے بلکہ قارئین کو بھی اُسی طلسمِ ہوش ربا میں انگشتِ بدنداں ہو کر اسیر ہو جانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ قارئین کے ذہن اور حواس کے گرد ایک لکشمن ریکھا کھینچ دیتے ہیں جسے پار کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔(۳) ڈاکٹر انور سدید نے مؔنیر نیازی کے وجدانی اسلوب کو طرزِ مؔنیر سے تعبیر کیا ہے:

''مؔنیر نیازی کے اجتہاد میں اس فضا کا اثر وعمل ہے جو رنگ بدلتے موسموں اور مزاج بدلتے انسانوں سے مرتب ہوتی ہے، دیدۂ حیران کو مٹا دیتی ہے اور خوف اور بے اعتباری کو مجسم کر دیتی ہے۔ اُن کی غزل میں الفاظ ایک نیا روپ اختیار کرتے اور معنوی طور پر ایک نئی پرت الٹتے ہیں، ان کے وجدانی اسلوب کو طرزِ منیر سے تعبیر کرنا مناسب ہے۔''(۴)

مؔنیر نیازی کی غزل، اُن کی نظم گوئی کی وجہ سے پس منظر میں چلی گئی ہے۔ حالاں کہ اُن کے بارہ شعری مجموعوں میں ۲۱۱ غزلیں موجود ہیں۔(۵) گو کہ اُن کی غزلیات کے مقابلے میں اُن کی نظموں کی تعداد دوگنا سے بھی کچھ زیادہ ہے تاہم اُن کی غزلیات کی تعداد اتنی کم بھی نہیں کہ وہ کوئی تاثر قائم کرنے سے قاصر رہیں۔ ڈاکٹر سمیرا اعجاز مؔنیر نیازی کی غزل گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

درحقیت اُن (مؔنیر نیازی) کی غزل، نظم سے الگ پہچان رکھتی ہے جو بہ یک وقت کلاسیکی طرزِ احساس اور جدید غزل کے مزاج اور اسالیب و موضوعات سے ترتیب پا کر انفرادی شناخت قائم کرتی ہے۔ اس کا رشتہ رومانوی نزاکت کے ساتھ بھی اتنا ہی استوار ہے جتنا کہ معاشرتی و عصری صورتِ حال کے بیان کے ساتھ''۔(۶)

عشق، غزل کا محبوب ترین اور سدابہار موضوع تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہر شاعر اپنے عشقیہ جذبات و احساسات کو ایک ایسا لب و لہجہ اور آہنگ عطا کرتا رہا ہے جو اُس کی ذات سے مخصوص ہو جاتا ہے۔ مؔنیر نیازی کی غزلیات میں تجربات کا ایک حصہ عشق اور عشق سے بڑھ کر عورت سے متعلق ہے اور ان کا عورت سے متعلق نظریہ مثالی یا آدرشی نہیں بلکہ انسانی ہے۔ ان کے یہاں بھی ہجر و وصال کی مخفی داستانیں ہیں لیکن ان میں احساساتی سطح روایتی نہیں، تجرباتی ہے۔(۷) جو اُن کی غزل کو دائروں میں مقید نہیں ہونے دیتی۔ اِس پر مستزاد یہ کہ اُن کی غزل کا لہجہ اُن کے اپنے احساس کی پیداوار ہونے کی وجہ سے اُن کی غزل کے داخلی و خارجی آہنگ اور تخلیقی اُپچ کے ڈانڈے سنجیدگی سے ملتے ہیں۔(۸)

مؔنیر نیازی کی ادبی وابستگی حلقۂ اربابِ ذوق سے رہی۔ وہ حلقہ کے ابتدائی رکن اور ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۰ء میں دو بار حلقہ کے سیکرٹری بھی رہے۔(۹) یہی وجہ ہے کہ حلقہ کے دیگر شعرأ کی طرح مؔنیر نیازی کے یہاں بھی جذبے اور احساس کی ترجمانی ہی کو اولیت حاصل ہے۔ تاہم اُن کے یہاں بعض مقامات پر خیال کی پیش کش کے

لیے فنی لوازمات سے بے نیازی برتنے کا رویہ بھی ملتا ہے۔

دوسری جنگِ عظیم نے انسان کو موت کی ہولنا کی سے خوف زدہ اور تنہائی کا شکار کر دیا۔ جس سے دنیا بھر میں وجودیت کا نظریہ قبولِ عام کی مسند پر جلوہ افروز ہوا۔ انسان کو درپیش خوف اور تنہائی نے اُسے اپنی ذات کے زندان میں اسیر کر کے رکھ دیا۔ منیر نیازی ایسے حساس تخلیق کار کے لیے عصری حسیّت سے متاثر نہ ہونا ناممکنات میں سے تھا، یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں ڈر، خوف اور تنہائی کے استعارے بھرپور انداز میں اپنا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ خارجیت، داخلیت کا روپ دھار لیتی ہے اور وہ اپنی ذات میں مگن اور دنیا سے بے زار لگتے ہیں، کوئی اُن کے اِس رویّے کو نرگسیت کہتا ہے تو کوئی انا کا نام دیتا ہے۔ اشفاق احمد، منیر نیازی کی تعلّی اور خود پسندی کے جذبے کے حوالے سے اُن کے پہلے مجموعہ کے دیباچے کا اختتام اِن الفاظ پر کرتے ہیں:

> ''آخر میں مجھے منیر نیازی کی ذات پر ایک حملہ کرنا ہے اور وہ یہ کہ اس کی طبیعت میں تعلّی اور خود پسندی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اور وہ کسی دوسرے شاعر کو خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ ہر وقت اپنی ہی شاعری کے چرچے کرتا ہے اور اس کے گن گاتا رہتا ہے۔ لیکن رونا اس بات کا ہے کہ اس کی شاعری اس کی تعلّی اور خود پسندی سے بھی دو قدم آگے ہی نظر آتی ہے۔''(۱۰)

اسلوب و آہنگ کی انفرادیت، خیالات و تجربات کی تازگی اور معاشرتی آگاہی و عصری صداقت منیر نیازی کو بیسویں صدی کے نصف آخر کے اہم غزل گو شاعر کے منصب پر متمکن کرتی ہے۔ ان کی غزل میں جو تازہ و جاندار محاکات نگاری کا التزام ملتا ہے وہ اُن سے پہلے کے شعرا کے یہاں کم کم نظر آتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اُن کی غزل میں حیرت و دہشت اور دیومالائیت کے شعور و آگاہی کے باوجود حزن و ملال کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے جس سے اُن کا تخلیقی جوہر وفورِ تخلیق سے متصف ہو کر سحر طاری کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ منیر نیازی، شعرا کے جمِ غفیر میں بھی اپنی شعری انفرادیت کی وجہ سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ اُن کی شعری انفرادیت کا ایک اہم حوالہ اُن کی غزل کی شعری فضا ہے جو اُن کے بلند پروازِ تخیل کی دین ہے۔ وہ خارجی دنیا سے داخل کی جانب سفر کرتے ہیں اور داخل و خارج کے امتزاج سے ایک ایسی دنیا تخلیق کرتے ہیں جو نہ صرف فردِ واحد کے جذبات و احساسات کی نمائندگی کرتی ہے بلکہ پورے عہد کی حسیت کو پیش کرتی ہے۔ جس کے نتیجے میں خوف، دہشت، پُراسراریت، حیرت و استعجاب اور داستانوی فضا جنم لیتی ہے۔(۱۱)

عروضی آہنگ، شعری منطق اور جادو، یہ وہ تین عناصر ہیں جو کسی شعر کو قبولِ عام کی سند عطا کرتے ہیں۔ اکثر شعرا، عروضی و شعری منطق کا حق تو اپنے تئیں ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑی حد تک کامیاب بھی ہو جاتے ہیں تاہم اُن کے یہاں تیسرا عنصر یعنی جادو بسا اوقات پیدا نہیں ہو پاتا، کیوں کہ اول الذکر دو عناصر اکتسابی جب کہ آخر الذکر وہبی عنصر ہے۔ منیر نیازی اِس حوالے سے خوش قسمت نظر آتے ہیں کہ اُن کے یہاں شعر کا جادو سر

چڑھ کر بولتا ہے۔اُن کے مطلع اور مقطعے بطورِ خاص اِس آخری عنصر کے وصف سے متصف ہیں۔اُن کے یہاں دسیوں ایسے اشعار ہیں جو سامع وقاری کو اپنی گرفت میں لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔اُن کے اشعار کی پُر اسراریت دل کو مسحور اور دماغ کو مخمور کر دیتی ہے۔منؔیر نیازی اپنے ایک انٹرویو میں اِس سحر کاری کو تخلیقی جوہر قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''شاعری ایک سحر ہے۔کچھ لوگ شاعری کو نشہ بھی قرار دیتے ہیں۔شاعری ایک ایسا عطیۂ خداوندی ہے جو دوسروں کو فریفتہ کر دیتا ہے۔بشرطیکہ شاعری میں تاثیر ہو۔اصلی اور نقلی شاعری کا فرق اس پیمانے سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعض لوگ شاعر ہوتے ہیں لیکن شاعری میں جو اصول وضوابط لاگو ہوتے ہیں اُنھیں وہ نہیں معلوم ہوتے۔کچھ لوگوں کو ان اصولوں، اوزان کا پتا ہوتا ہے مگر ان کی شاعری بے مزا ہوتی ہے۔اُس میں لذت اور گہرائی نہیں ہوتی۔کیوں کہ اُن کے اندر تخلیق کا عمل نہیں ہوتا۔اصل چیز ہے تخلیق کا جوہر، جس آدمی میں تخلیق ہے، جو خوب صورت بات کہہ سکتا ہے اور دوسروں کو اپنی شاعری سے راغب کرنے کا فن جانتا ہے دراصل وہی سچا اور صحیح شاعر ہے۔''(۱۲)

منؔیر نیازی کے اکثر مطلعے بہت خوب صورت اور دل کش ہیں، حالاں کہ مطلع غزل کا مشکل ترین شعر ہوتا ہے جس میں دو بار قافیہ وردیف کا التزام کرنا پڑتا ہے اور بسا اوقات شاعر مطلع کا حق ادا نہیں کر پاتا لیکن منؔیر نیازی کے مطلعے اپنا بھرپور تاثر رکھتے ہیں۔وہ جتنی محنت غزل کے مطلعے پر کرتے ہیں، باقی اشعار میں کم کم نظر آتی ہے۔چند مطلعے(۱۳) ملاحظہ ہوں:

ے میری ساری زندگی کو بے ثمر اُس نے کیا
عمر میری تھی مگر اس کو بسر اُس نے کیا (۵۱۵)

ے خیال جس کا تھا مجھے، خیال میں ملا مجھے
سوال کا جواب بھی سوال میں ملا مجھے (۷۰۲)

ے کتابِ عمر کا اِک اور باب ختم ہوا
شباب ختم ہوا، اِک عذاب ختم ہوا (۷۸۷)

ے اس شہرِ سنگ دل کو جلا دینا چاہیے
پھر اس کی خاک کو بھی اُڑا دینا چاہیے (۳۲۰)

مطلع کی طرح منؔیر نیازی کے مقطعے بھی اپنی مثال آپ ہیں۔چست بندش، روانی اور اپنے صوتی آہنگ کی وجہ سے اُن کا تخلص بھی مقطعے کے مضامین کو ترفع عطا کرتا ہے۔ایک اور بات جو اُن کے مقطعوں کا خاصہ ہے وہ

سحر، خوف، اداسی اور مایوسی کی ایک لہر ہے جو تہ میں چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اُن کے اکثر و بیشتر مطلعے اور مقطعے زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ درج ذیل مقطعے شاید میری بات کی تائید کر سکیں:

ے منیر اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے، یا کیا ہے
کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ (۴۵۵)

ے اک اور دریا کا سامنا ہے منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اُترا تو میں نے دیکھا (۳۳۱)

ے فائدہ کیا ہے اگر اب وہ ملے بھی تو منیر
عمر تو بیت گئی راہ پہ لاتے اُس کو (۳۱۵)

ے عادت ہی بنا لی ہے تم نے تو منیر اپنی
جس شہر میں بھی رہنا اُکتائے ہوئے رہنا (۴۹۹)

مطلعوں اور مقطعوں کے علاوہ بھی اُن کے یہاں کچھ ایسے اشعار ہیں جو دل گرفتگی کا ہنر جانتے ہیں لیکن اُن کی تعداد مقابلتاً کم ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ے ہستی ہی اپنی کیا ہے زمانے کے سامنے
اِک خواب ہیں جہاں میں بکھر جائیں ہم تو کیا (۵۱۲)

ے آنکھوں میں اُڑ رہی ہے لُٹی محفلوں کی دھول
عبرت سرائے دہر ہے اور ہم ہیں دوستو (۶۸)

ے شہر میں وہ معتبر میری گواہی سے ہوا
پھر مجھے نامعتبر اس شہر میں اس نے کیا (۵۱۵)

ے مرے پاس ایسا طلسم ہے، جو کئی زمانوں کا اسم ہے
اُسے جب بھی سوچا بلا لیا، اُسے جو بھی چاہا بنا دیا (۲۴۷)

منیر نیازی کے اشعار میں علمِ بیان اور علمِ بدیع کے سلیقہ مند استعمال سے اُن کے یہاں تازہ کاری اور ندرت پیدا ہو گئی ہے۔ اُن کی غزل روایت اور جدت کے احساس سے مملو ہے۔ اُنھوں نے جہاں نئے موضوعات و اسالیب سے شاعری کو ہمکنار کیا وہیں فنی سطح پر بھی تخلیقی قوت عطا کی، اُن کی غزل بیان و بدیع کے حسن سے مزین ہونے کی بنا پر ندرتِ فن، تازہ بیانی اور تازہ خیال کی حامل ہے۔ لفظی و معنوی سطح پر صنایع بدایع کو فطری انداز میں اِس طرح استعمال کیا گیا ہے کہ معنوی و لفظی پیچیدگی اور ثقالت کی بجائے خوب صورتی اور تسہیل پیدا گئی ہے۔ (۱۴)

منیر نیازی کی غزل کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کرتے ہوئے ہم پر یہ بات بھی منکشف ہوتی ہے کہ اُن کے یہاں

کلاسیکی غزل کی شعریات میں عصری حسیت اور حقیقت پسندی کی آمیخت اور امتزاج نے اُردو ادب کو مزید ثروت مند کیا ہے۔ نادر تشبیہات، نئے نئے استعارے، بصری و سمعی تمثال گری، نئی نئی لفظیات و تراکیب کے استعمال نے اُن کی غزل کو جہاں متانت اور وقار بخشا ہے وہاں تغزل اور ایمائیت کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے:

''منیر نیازی یک رُخی لفظیات کا استعمال نہیں کرتے بلکہ تہ در تہ معانی کی سطحیں پیدا کرتے ہیں جو ان کی غزل میں ایمائیت، تغزل اور پہلوداری کی خصوصیت پیدا کرتی ہیں۔''(۱۵)

منؔیر نیازی کی شاعری میں 'شجر' اساطیری حوالہ، جب کہ چاند، ہوا، شام، موت، خواب، سفر، شہر اور دشت ایسی علامتیں اُن کی غزل کو سحر انگیز بنا دیتی ہیں۔ چند مثالیں دیکھیے:

ے منؔیر دیکھ شجر، چاند اور دیواریں
ہوا خزاں کی ہے سر پر شبِ بہار میں ہوں (۴۳۲)

ے ہوا شام کی آہِ آوارہ تھی
ملے اُس سے غم کے سمندر کئی (۴۱۴)

ے دل خوف میں ہے عالمِ فانی کو دیکھ کر
آتی ہے یاد موت کی پانی کو دیکھ کر (۳۲۱)

ے خواب ہوتے ہیں دیکھنے کے لیے
ان میں جا کر مگر رہا نہ کرو (۶۱۷)

اِس دیارِ چشم و لب میں دل کی یہ تنہائیاں
ان بھرے شہروں میں بھی شامِ غریباں دیکھیے (۲۴۸)

منؔیر نے صنائع بدائع کو بھی شعری وسیلے کے طور پر بڑے سلیقے سے استعمال کیا ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ے اِک اِک ورق ہے بابِ زر، تری غزل کا منؔیر
جب یہ کتاب ہو چکے جا کے دکھانا تب اُسے (۳۳۸)(صنعتِ مراعاۃ النظیر)

ے سوادِ شامِ سفر ہے جلا جلا سا منؔیر
خوشی کے ساتھ عجب سا ملال بھی ہے مجھے (۴۴۷)(صنعتِ تضاد)

ے ہے آنکھ سرخ اُس لبِ لعلیں کے عکس سے
دل خوں ہے اُس کی شعلہ بیانی کو دیکھ کر (۳۲۲)(صنعتِ حسنِ تعلیل)

ے دیکھیے اب کے برس کیا گل کھلاتی ہے بہار
کتنی شدت سے مہکتا ہے گلستاں دیکھیے (۲۴۸)(صنعتِ ردالعجز علی الصدر)

ے وحدت سے کثرت کی طرف
کثرت سے وحدت کی طرف (۵۰۷)(صنعتِ ردالعجز علی الصدر)

ے کئی رنگ پیدا ہوئے برق سے
کئی عکس دیوار و در پر گئے (۳۲۹)(صنعتِ ترصیع)

ے ابر و ہوا نئے نئے، شمس و قمر نئے نئے
اہلِ نظر نئے نئے، اہلِ خبر نئے نئے (۶۲۵)(صنعتِ ذو قافیتین)

ے عمر کے ساتھ عجیب سا بن جاتا ہے آدمی
حالت دیکھ کے دکھ ہوا، آج اُس پری جمال کی (۴۴۹)(صنعتِ اشتقاق)

ے مکاں ہے قبر جسے لوگ خود بناتے ہیں
میں اپنے گھر میں ہوں یا میں کسی مزار میں ہوں (۴۳۱)(صنعتِ لف و نشر)

منیؔر نیازی کے کلیات میں جہاں ایسے بہت سے شعر ہیں جو قاری کو گرفت میں لے لیتے ہیں وہاں بہت سے اشعار ایسے بھی ہیں جو فنی اسقام کی وجہ سے شعری اسرار و رموز سے آشنا قاری کو اپنی طرف متوجہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ منیؔر نیازی بسا اوقات فنی لوازمات سے بے نیازی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ذیل میں اُن کے یہاں فنی اسقام کی نشاندہی کرتے ہیں۔ غزلیاتِ منیؔر میں تعقیدِ لفظی و معنوی ملتی ہیں:

ع لگی ہے اُس کو بھی ایسے کسی خیال کی چُپ (۶۸۷)

ے خوب لگتا ہے اُس کے ساتھ مجھے
وصل کی شب کی خواہشوں کا سفر (۴۹۶)

منیؔر سے کچھ لفظوں کے اوزان کے استعمال پر بھی تسامح ہوا ہے، جیسے پاؤں اور قلعے، اسی طرح لا حاصلی کا استعمال بھی مناسب نہیں:

ع نئے زیورات اُن کے پاؤں میں تھے (۲۳۹)

ع کھڑا ہوں یوں کسی خالی قلعے کے صحنِ ویراں میں (۴۱۱)

ے لا حاصلی ہی شہر کی تقدیر ہے منیؔر
باہر بھی گھر سے کچھ نہیں، اندر بھی کچھ نہیں (۴۴۶)

منیؔر نیازی کے یہاں عیبِ تنافر کثرت سے ملتا ہے، چند مثالیں دیکھیے:

ع عبارت تک منہ سے نہ نکلی بے وفا کے سامنے (۲۴۵)

ع مہیب بن تھا چہار جانب (۳۱۶)

ع ہے آنکھ سرخ اُس لبِ لعلیں کے عکس سے (۳۲۲)

ع اِک باغ سا سا تھ اپنے مہکائے ہوئے رہنا (۴۹۹)

ع کل بھی تھا آج جیسا ورنہ منیؔر ہم بھی (۶۹۸)

ع منزل ہے اس مہک کی کہاں، کس چمن میں ہے (۷۰۹)

ع اِک خیال خام میں مسحور کر رکھا مجھے (۷۹۷)

منیؔر کے یہاں تکرارِ ردیف یا توارُدِ ردیف کے عیوب بھی ملتے ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ے اور کسی جہان میں، حاضرِ جان سی کبھی!
غیبوں کے سحرِ دور میں ساعتِ عام سی کبھی (۶۸۲)

ے ہر عمل ہے عمل کا ردِ عمل
ہر ستم ہے ستم کا ردِ عمل (۷۸۶)

ے منزلیں آساں بہت تنہا سفر کرنے سے ہیں
رنج ہیں جتنے سفر میں ہم دموں کے دم سے ہیں (۸۰۲)

ے وہ کام شاہِ شہر سے یا شہر سے ہوا
جو کام بھی ہوا ہے وہ اچھا نہیں ہوا (۸۵۲)

منیؔر عیوبِ قوافی سے بھی نہیں بچ سکے:

ے شعاعِ مہرِ منور شبوں سے پیدا ہو
متاعِ خوابِ مسرت غموں سے پیدا ہو (۳۳۲)

ے اِک عالمِ ہجراں ہی اب ہم کو پسند آیا
یہ خانۂ ویراں ہی اب ہم کو پسند آیا

ے بے نام و نشاں رہنا غربت کے علاقے میں
یہ شہر بھی دلکش تھا تب ہم کو پسند آیا (۵۰۹)

ے دشتِ باراں کی ہوا سے پھر ہرا سا ہو گیا
میں فقط خوشبو سے اُس کی تازہ دم سا ہو گیا (۵۲۲)

ے ترا ہونا ضروری تھا نہ ہونا بھی ضروری تھا
کسی بھی یاد کا ہستی میں ہونا بھی ضروری تھا (۷۹۹)

ب

سورج کی دمک، بجلی کی چمک، ساون کا ہرا بن دیکھا ہے
رنگین ملائم پتوں کی سر سر سے بھرا بن دیکھا ہے
دیوارِ فلک، محرابِ زماں، سب دھو کے آتے جاتے ہیں
یہ ایک حقیقت ہم پہ کھلی جب سے وہ کھلا بن دیکھا ہے (۵۴۱)

درج ذیل غزل اگرچہ غیر مردف ہے لیکن مطلع میں عجب اشتباہ پیدا ہوتا ہے اور اگلے شعروں میں مزید، غزل کے پہلے تین اشعار ملاحظہ ہوں:

ب

وہ جو اپنا یار تھا دیر کا کسی اور شہر میں جا بسا
کوئی شخص اس کے مکان میں کسی اور شہر کا آ بسا
یہی آنا جانا ہے زندگی، کہیں دوستی کہیں اجنبی
یہی رشتہ کارِ حیات ہے، کبھی قرب کا کبھی دور کا
ملے اس میں لوگ رواں دواں کوئی بے وفا کوئی باوفا
کٹی عمر اپنی یہاں وہاں کہیں دل لگا کہ نہیں لگا (۸۳۵)

''کلیاتِ منؔیر'' کے بارہ مجموعوں میں کل ۲۱۱ غزلیات شامل ہیں۔ اِن غزلیات کا عروضی مطالعہ کرتے ہوئے خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ منؔیر نیازی نے ۱۰ بحور کے ۳۳ اوزان استعمال کیے ہیں، یہ بات اُن کی فنی و عروضی پختگی پر دلالت کرتی ہے۔ اُن کی پسندیدہ بحور میں بحرِ رمل (۵۸)، بحرِ مضارع (۴۰)، بحرِ ہزج (۳۱) اور بحرِ مجتث (۲۴) ہیں، اِن چار بحور میں اُنھوں نے کل ۱۵۳ غزلیات کہیں، جو مجموعی غزلوں کا ۷۳ فیصد ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

منؔیر نیازی (۱۹۲۸ء۔۲۰۰۶ء) کا شمار، اسلوب و آہنگ کی انفرادیت، خیالات و تجربات کی تازگی اور معاشرتی آگاہی و عصری صداقت کی وجہ سے بیسویں صدی کے نصف آخر کے اہم غزل گو شعرأ میں ہوتا ہے۔ ان کی غزل میں جو تازہ و جاندار محاکات نگاری کا التزام ملتا ہے وہ اُن سے پہلے کے شعرأ کے یہاں کم کم نظر آتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اُن کی غزل میں حیرت و دہشت اور دیومالائیت کے شعور و آگاہی کے باوجود حزن و ملال کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے جس سے اُن کا تخلیقی جوہر وفورِ تخلیق سے متصف ہو کر سحر طاری کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے جس کی وجہ سے شعرأ کے جمِ غفیر میں بھی وہ اپنی شعری انفرادیت کی وجہ سے نمایاں نظر آتے ہیں۔

۱۔ اشفاق احمد، دیباچہ ''تیز ہوا اور تنہا پھول'' بعنوان 'سرِ کہسار'، ''کلیاتِ منؔیر''، لاہور، ماورا بکس، ۲۰۰۵ء، ص ۴۲

۲۔ امجد طفیل، مضمون:منیؔر نیازی کی شعری کائنات، مشمولہ: ادبیات ۔ بیادِ منیؔر نیازی، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، شمارہ ۸۳،۸۴، ۲۰۰۹، ص ۲۲۴

۳۔ پریا تابیتا، مضمون:عبرت سرائے دہر ہے اور ہم ہیں دوستو، مشمولہ:ادبیات۔ بیادِ منیؔر نیازی، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، شمارہ ۸۳،۸۴، ۲۰۰۹، ص ۲۸۳

۴۔ ڈاکٹر انور سدید''اُردو ادب کی مختصر تاریخ''مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء ص ۵۹۴

۵۔ ''کلیاتِ منیؔر''، لاہور، ماورا بکس، ۲۰۰۵۔کلیاتِ منیؔر میں درج ذیل بارہ مجموعے شامل ہیں:

(i) تیز ہوا اور تنہا پھول (ii) جنگل میں دھنک (iii) دشمنوں کے درمیاں شام (iv) ماہِ منیؔر (v) چھ رنگین دروازے (vi) آغازِ زمستاں میں دوبارہ (vii) ساعتِ سیّار (viii) پہلی بات ہی آخری تھی (ix) ایک دُعا جو میں بھول گیا تھا (x) سفید دن کی ہو (xi) سیاہ شب کا سمندر (xii) ایک مسلسل

۶۔ سمیرا اعجاز، ڈاکٹر،''منیر نیازی--- شخص اور شاعر''، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۲۷۴

۷۔ انیس ناگی، ڈاکٹر،''منیؔر نیازی''مشمولہ آٹھ غزل گو، مرتبہ جاوید شاہین، لاہور، مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۶۸ء، ص ۱۵

۸۔ وقار احمد رضوی، ڈاکٹر،''تاریخ جدید اُردو غزل''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص ۹۱۱

۹۔ یونس جاوید، ڈاکٹر،''حلقۂ اربابِ ذوق (تنظیم، تحریک، نظریہ)''، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۳ء، ص ۹۷۳

۱۰۔ اشفاق احمد، دیباچہ''تیز ہوا اور تنہا پھول''بعنوان سرِ کہسار،''کلیاتِ منیؔر''، لاہور، ماورا بکس، ۲۰۰۵ء، ص ۴۴

۱۱۔ سمیرا اعجاز، ڈاکٹر،''منیر نیازی--- شخص اور شاعر''، ص ۲۹۷

۱۲۔ http:/www.urdupoint.com/adab/detail.198.122.1.18..html

۱۳۔ 'کلیاتِ منیؔر''، لاہور، ماورا بکس، ۲۰۰۵،''میرے سامنے ہے۔منیؔر نیازی کے فنی وسائل کے مطالعہ کے دوران میں یہی کلیات میرے مدِنظر رہے گا اور مثالوں میں پیش کردہ اشعار کے صفحات نمبر بھی اسی کلیات کے مطابق درج کیے گئے ہیں۔ مزید برآں ایک ایک، دو دو اشعار کو بھی غزلیات کی کل تعداد میں شمار کیا ہے۔

۱۴۔ سمیرا اعجاز، ڈاکٹر،''منیر نیازی--- شخص اور شاعر''، ص ۳۵۸

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۹۱